# گالیوں کا الزام

اعتراض:۔ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کو گالیاں دیں۔ چنانچہ آئینہ کمالات اسلام میں لکھا ہے:۔

"كُلُّ مُسْلِمٍ...... يَقْبَلُنِيْ وَيُصَدِّقُ دَعْوَتِيْ اِلَّا ذُرِّيَّةَ الْبَغَايَا"

نیز لکھا ہے:۔

اِنَّ الْعِدَا صَارُوْا خَنَازِيْرَ الْفَلَا

وَنِسَائُهُمْ مِنْ دُوْنِهِنَّ الْاَكْلَبُ

(نجم الہدیٰ)

پہلی عبارت میں مخالفین کو ذریۃ البغایا یعنی کنجریوں کی اولاد کہا ہے۔
اور دوسری عبارت میں اپنے مخالفین کو سؤر اور ان کی عورتوں کو کتیوں سے بدتر کہا ہے؟

الجواب:۔(الف) آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 547-548 کی عبارت میں دراصل ایک پیشگوئی ہے۔ترجمہ اس کا یہ ہے کہ" سارے مسلمان مجھے قبول کرلیں گے۔سوائے ذریۃ البغایا کے"۔جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ "لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّاعَلٰی اَشْرَارِ النَّاسِ "۔یعنی قیامت صرف شریر لوگوں پر ہی قائم ہوگی۔گویا نیک لوگ اس سے پہلے اُٹھالیے جائیں گے۔جب آپؑ نے یہ فقرہ لکھا۔اس وقت بہت تھوڑے مسلمانوں نے آپ کو قبول کیا تھا۔اور یہ امر اس بات پر قرینہءحالیہ ہے کہ اس فقرہ کا تعلق کسی آئندہ زمانہ سے ہے جب کہ ایسا کوئی مسلمان نہ رہے گا جس نے آپ کو قبول نہ کیا ہو۔اور آپ کا مصدّق نہ ہو۔وہ وقت آتا ہے کہ جب آپؑ کا غیر مصدق کوئی مسلمان نہیں ہوگا۔بلکہ غیر مسلموں میں سے جو لوگ سرکش طبیعت کے مالک ہیں وہی آپؑ کے مکذب ہوں گے۔پس الاّ کا استثناء اس جگہ بطور استثناء منقطع کے ہے۔یعنی یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ ذریۃالبغایا وہ غیر مسلم ہوں گے جنہوں نے آپ کو قبول نہیں کیا ہوگا نہ کہ مسلمان۔
پس اس عبارت کو خواہ مخواہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے متعلق سمجھنا جنہوں نے آپ کو قبول نہیں کیا قرینہءحالیہ کے خلاف ہے۔کیونکہ عبارت میں "کُلُّ مُسلِمٍ" کا لفظ بتاتا ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں رہے گا۔جس نے آپ کو قبول نہ کیا ہو۔
اِلَّا کے استثناء منقطع ہونے کی مثال قرآن مجید میں بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ "۔کہ تمام ملائکہ نے آدمؑ کی خاطر سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔اس جگہ اِلَّا کا لفظ استثناء منقطع کے لئے ہے۔

کیونکہ ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا اس کے متعلق دوسری جگہ صاف لکھا ہے:۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ۔ (الکھف: 51)

کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ پس اُس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

"ذُرِّيَّة البغايا" کا لفظ اس فقرہ میں اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرینہء لفظیہ اس پر اگلا فقرہ "اَلَّذِيْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" ہے کہ ذرية البغايا سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر مُہر لگ چکی ہو۔ اور قرینہء حالیہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ منکرِ مامورین کا نسب ضرور گندا ہو۔

پس اس جگہ روحانی طور پر ذُرِّيَّة البغايا مراد ہیں نہ کہ جسمانی طور پر۔ اور روحانی طور پر ذُرِّيَّة البغايا سے مراد ایسے سرکش لوگ ہوتے ہیں جن کا ایمان نہ لانا مقدر ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے ایک مخالف کو مخاطب کرتے ہوئے نظم میں کہا:۔

اٰذَيْتَنِيْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ

اِنْ لَمْ تَمُتْ بِالْخِزْيِ يَابْنَ بِغَاءٖ

اور خود اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں (انجام آتھم میں اس شعر کا ترجمہ مولوی عبدالکریمؓ صاحب نے لفظی کر دیا ہے۔ مگر مراد وہی ہو سکتا ہے جو ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود کیا ہے:۔

"خباثت سے تو نے مجھے ایذاء دی ہے۔ پس اگر تُو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو میں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہروں گا۔ اے سرکش انسان"۔
(الحکم جلد 11 نمبر 7 مورخہ 24 رفروری 1907ء صفحہ 12 کالم نمبر 2)

جس طرح ابن بغايا سے مراد کنجری کا بیٹا نہیں اسی طرح ذرية البغايا سے

مراد کنجریوں کی اولاد نہیں کیونکہ محلِ مجازی استعمال کا ہے۔ جیسے حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:۔

"مَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزِّنَاءِ فَهُوَ وَلَدُ الزِّنَاءِ"

(کتاب الوصیت مطبوعہ حیدرآباد صفحہ 39)

کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائے وہ ولد الزنا یعنی حرام زادہ ہے۔

اس جگہ یہ الفاظ بھی بطور مجاز کے ہیں یعنی وہ شخص روحانیت سے محروم ہے۔ فرزندِ اسلام نہیں۔

ذریۃ البغایا کے الفاظ انہیں معنوں میں حضرت امام ابو جعفر علیہ السلام نے استعمال فرمائے ہیں۔ چنانچہ ابوحمزہ سے مروی ہے:۔

"عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهٗ اِنَّ بَعْضَ اَصْحَابِنَا یَفْتَرُوْنَ وَیَقْذِفُوْنَ مَنْ خَالَفَهُمْ فَقَالَ اَلْکَفُّ عَنْهُمْ اَجْمَلُ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ یَا اَبَا حَمْزَةَ! اِنَّ النَّاسَ کُلُّهُمْ اَوْلَادُ بَغَایَا مَا خَلَا شِیْعَتِنَا "

(فروع کافی جلد 3 کتاب الروضۃ صفحہ 135 مطبوعہ نول کشور)

ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت باقر علیہ السلام سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر افتراء باندھتے اور بہتان لگاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا اچھا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابوحمزہ! خدا کی قسم ہمارے گروہ کے سوا باقی تمام لوگ اولادِ بغایا ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دشمنانِ اہلِ بیت سرکش ہیں۔

اخبار مجاہد لاہور 3 / مارچ 1936ء میں لکھا گیا تھا کہ:۔

"ولد البغایا، ابن الحرام اور ولد الحرام، ابن الحلال، بنت الحلال

وغیرہ۔ یہ سب عرب کا اور ساری دنیا کا محاورہ ہے جو شخص نیکوکاری کو ترک کر کے بدکاری کی طرف جاتا ہے اس کو باوجودیکہ اس کا حسب ونسب درست ہو۔ صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام ولد الحرام کہتے ہیں۔ اس کے خلاف جو نیک کار ہوتے ہیں۔ ان کو ابن حلال کہتے ہیں۔ اندریں حالات امام علیہ السلام کا اپنے مخالفین کو اولادِ بغایا کہنا بجا اور درست ہے''

پس آئینہ کمالاتِ اسلام کی عبارت میں **ذریة البغایا** سے مراد ہدایت سے دور یا سرکش انسان ہی ہیں نہ کہ حقیقت میں کنجریوں کی اولاد۔ عربی زبان میں **بغیہ** رشد کی نقیض ہے ملاحظہ ہو لسان العرب۔ بَغِیٌّ کے معنی لونڈی کے بھی ہیں فاجرہ ہو یا نہ۔

(ب) **نجم الھدیٰ** کے شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدِ نظر مسلمان مخالفین نہیں بلکہ مراد اعداءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

''بے شک دشمن (نہ کہ مخالفین) جنگل کے سؤر بن گئے اور اُن کی عورتیں ایسی ہیں کہ کتیاں بھی اُن سے کم تر''۔

اگلا شعر اس پر قرینہ ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

**سَبُّوْا وَ مَا اَدْرِیْ لِاَیِّ جَرِیْمَۃٍ**
**سَبُّوْا اَنَعْصِی الْحِبَّ اَوْ نَتَجَنَّبُ**

کہ اُنہوں نے گالیاں دی ہیں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور میں نہیں جانتا کہ آپؐ کے کس جرم کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ انہوں نے گالیاں تو دی ہیں تو کیا ہم اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نافرمان ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے اعتراضوں اور گالیوں سے ایسا ہونا محال ہے کہ ہم ان کی گالیوں کی وجہ سے کنارہ کش ہو جائیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان شعروں میں وہ لوگ مُراد نہیں جو مسلمانوں میں سے آپ کے مخالف ہیں بلکہ وہ غیر مسلم مرد اور عورتیں مراد ہیں۔ جو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ جنگل کے سؤر اور کتیوں سے کم تر کے الفاظ ضرور ایسے لوگوں کے مناسب حال ہیں جو سید الانبیاء فخر المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔ کیونکہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دے سکتے۔

قرآن کریم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر یہودیوں کو بندر اور سؤر۔ شیطان کے پرستار اور شر البریۃ تک قرار دیا ہے یعنی تمام مخلوق میں سے بدتر یعنی کتوں اور سؤروں اور کیڑوں اور مکوڑوں سے بدتر اور پھر انہیں کَمَثَلِ الْحِمَارِ بھی کہا ہے۔ ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے:۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا۔ (المائدۃ:61)

نیز فرمایا:۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ (البینۃ:7)

کہ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اہل کتاب اور مشرکوں میں سے وہ رہتے چلے جائیں گے جہنم کی آگ میں۔ وہی لوگ بدترین خلائق ہیں۔

اور یہود کی شان میں کہا ہے مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔

(الجمعۃ:6)

کہ جن لوگوں پر تورات کی اطاعت واجب کی گئی مگر باوجود اس کے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ ان کی مثال گدھے کی ہے جس نے بہت ساری کتابیں اٹھائی ہوئی ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ سخت الفاظ کا اپنے محل پر استعمال عند الشرع جائز ہے۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔ (النساء:149) آیت سے ظاہر ہے کہ مظلوم جواب میں اعلانیہ سخت الفاظ استعمال کرسکتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ سخت الفاظ اپنے محل پر بعض خاص مصالح کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

## سخت الفاظ استعمال کرنے کی وجہ

''مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی۔ لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں کے الفاظ ایسے سخت اور دشنام دہی کے رنگ میں تھے جن کے مقابل پر کسی قدر سختی مصلحت تھی۔ اس کا ثبوت اس مقابلہ سے ہوتا ہے۔ جو میں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں کے سخت الفاظ اکٹھے کر کے کتاب مسل مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کیے ہیں۔ جس کا نام میں نے کتاب البریہ رکھا ہے۔ باایں ہمہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں۔ ابتدا سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کرسکتا تھا لیکن دو مصلحت کے سبب سے میں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔

اول یہ کہ تا مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پا کر اپنی روش بدلا لیں اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔

دوم یہ کہ تا مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصہ دلانے والی تحریروں سے عام مسلمان جوش میں نہ آئیں اور سخت الفاظ کے جواب بھی کسی قدر سخت

پاکر اپنی پُر جوش طبیعتوں کو اس طرح سمجھا لیں کہ اگر اس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے تو ہماری طرف سے بھی کسی قدر سختی سے جواب ان کو مل گیا"۔ (کتاب البریہ۔روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 11)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریروں میں جو سخت استعمال کئے ہیں۔ وہ مظلومانہ حالت میں کئے ہیں اور وہ بھی انتہائی صبر کے بعد اور اس رنگ میں انتقام لینا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ برائی کا بدلہ اس کے مثل دیا جاسکتا ہے۔ جب کہ مصلحت کا تقاضا بدلہ دینے کا ہو۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَتْكِ الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِيْنَ وَقَدْحِ الشُّرَفَاءِ الْمُهَذَّبِيْنَ سَوَآءٌ كَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَسِيْحِيِّيْنَ اَوِ الْآرِيَةِ"
(لُجّة النور۔روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 409)

ترجمہ:۔ ہم صالح علماء کی ہتک سے اور مہذب شرفاء کی شان گرانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ خواہ مسلمانوں میں سے ہوں یا آریوں میں سے۔

نیز فرماتے ہیں:۔

"لَيْسَ كَلَامُنَا هٰذَا فِيْ اَخْيَارِهِمْ بَلْ فِيْ اَشْرَارِهِمْ"۔
(الهدیٰ و التبصرة لمن یریٰ. روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 3)

ترجمہ:۔ ہمارا یہ کلام ان کے بھلوں کے متعلق نہیں بلکہ ان کے شریروں کے متعلق ہے۔